حضرت میر محمد اسحاق صاحب

دیباچہ

یہ کتاب ایک ایسے وجود کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت میں سرشار تھا اور جس کی محبت کا عالم اس کے اپنے الفاظ میں کچھ یوں ہے۔

’’مجھے خدا کی بزرگ کتاب قرآن مجید کے بعد حضور رسول مقبول ﷺ کی احادیث سے عشق ہے۔اور سرورِ کائنات کا کلام میرے لئے بطور غذا کے ہے کہ جس طرح روزانہ اچھی غذا ملنے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔اسی طرح بغیر سید کونین کے کلام کے ایک دو ورقہ پڑھنے کے میری طبیعت بے چین رہتی ہے۔جب کبھی میری طبیعت گھبراتی ہے تو بجائے اس کے کہ میں باہر سیر کیلئے کسی باغ کی طرف نکل جاؤں، میں بخاری یا حدیث کی کوئی اور کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں۔ اور مجھے اپنے پیارے آقا کے کلام کو پڑھ کر خدا کی قسم وہی تفریح حاصل ہوتی ہے جو ایک غمزدہ گھر میں بند رہنے والے کو کسی خوشبودار پھولوں والے باغ میں سیر کر کے ہو سکتی ہے۔اور میری تو یہ حالت ہے کہ

باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بستاں کلام احمد ہے

اور واقعہ میں میرے آقا کا کلام ایسا پاکیزہ، ایسا پیارا، ایسا دلفریب اور ایسا دلربا ہے کہ کاش دنیا اسے پڑھے اور پھر اسے معلوم ہو کہ میرے بادشاہ کا منہ ایسے پھول برساتا تھا کہ جن کی خوشبو اگر ایک دفعہ کوئی سونگھ لے، پھر اسے دنیا کی کوئی خوشبو کوئی عطر اور کوئی پھول اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ لوگ میرے آقا کا کلام پڑھیں اور سنیں اس لئے میں بخاری شریف کی حدیثیں لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔"

پیش لفظ

پیارے بچو! یہ کہانی ایک ایسے خوش نصیب وجود کی ہے جنہوں نے 1890 میں جنم لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر خلافت کے بابرکت سایہ میں رہنے کی توفیق پائی۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کے کلام سے عشق تھا اور آپ نے اسے اتنی لگن سے پڑھا کہ برصغیر پاک و ہند میں کوئی آپ کے پایہ کا عالم حدیث نہ ہوا۔ دوسری طرف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء احمدیت سے اتنی محبت اور عقیدت کہ سیر پر جاتے ہوئے اگر چھڑی پکڑانے کا شرف بھی پایا تو اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین انسان سمجھا۔ خود بھی بے لوث خدمات سرانجام دیں اور آنے والوں کے لئے بھی قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو!

خاندانی پس منظر

مغلیہ سلطنت کے چھٹے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں ایک سید خاندان بخارا سے ہندوستان آیا اور پایۂ تخت دہلی میں اترا۔اس کے سربراہ خواجہ سید محمد طاہر تھے۔ چونکہ آپ حضرت بہاء الدین نقشبندی کی اولاد میں سے تھے اور اورنگ زیب عالمگیر بھی اسی سلسلہ بیعت سے تھے اس لئے اس نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور دلی میں ایک معزز مقام پر بٹھایا اور ان کے صاحبزادوں سے مغل شہزادیاں بیاہ کر اس خاندان کو اپنے خاندان میں شامل کرلیا۔ نیز انہیں مختلف خطابات اور منصب دے کر حکومتی امور میں بھی شامل کرلیا۔اور ''نواب'' اور ''خان'' کے خطابات دیئے۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس خاندان کی ہندوستان کے شاہی خاندان میں ایک خاندان ہی کی حیثیت تھی اور فرخ سیر اور جہاندار شاہ کی چپقلش میں اس خاندان کے بزرگوں نے بھی اپنی وفاداریاں ثابت کیں۔

لیکن دنیا کی اس کشمکش سے تنگ آکر ان کے ایک بزرگ حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب نے اپنے تمام تر خطابات اور مناصب کو ٹھکرا کر دلّی کے قریب برمدہ کے نالہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور عبادت اور ریاضت میں دن گذارنے لگے۔ان کے ساتھ ان کے خاندان کے چھوٹے بڑے یہیں چلے آئے ۔ یہ جگہ شاہی محلات کے

بالمقابل ایک کھنڈر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن تمام خاندان دنیا کو ترک کر کے یہاں آباد ہونے پر خوش تھا۔

حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب نے یہاں عبادت اور ریاضت کی حد کردی۔ ایک روز حالت استغراق میں آپ نے ایک کشفی نظارہ دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان جس کے سر پر ایک جواہر نگار تاج تھا سامنے آیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔''اے محمد ناصر! یہ کیا جبر وستم ہے جو تو اپنے نفس پر کرتا ہے تجھے معلوم نہیں ہے کہ تو ہمارا لخت جگر ہے اور تیرے بدن کی چوٹیں ہمارے دل پر پڑتی ہیں اور تیری تکلیف ہمارے جد عَلَيۡهِ التَّحِيَّةُ وَالثَّنَاءُ کو تکلیف دیتی ہے۔اس لئے ہرگز ہرگز ایسا نہ کرنا۔''

(سیرۃ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ صفحہ 69،70)

یہ نظارہ دیکھ کر آپ تھرّا گئے۔اس بزرگ نے آپ کو سینے سے لگا کر اس میں نور بھر دیا۔آپ نے بے تاب ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ میں حسن بن علی بن ابو طالب ہوں اور آنحضورؐ کے منشاء کے مطابق آیا ہوں۔ پھر فرمایا:۔

''ایک خاص نعمت تھی جو خانوادۂ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اسکا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔ہم خوشی سے تجھے اجازت دیتے ہیں کہ اس نعمت سے جہان کو سیراب کر اور جو تجھ سے طالب ہو اسکو فیض پہنچا تا یہ سلسلہ پھیلے اور یہ ساعت جو ابھی کچھ دیر باقی رہے گی۔ نہایت ہی

مبارک ہے۔اس وقت تو جس شخص کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرے گا اسے بقاباللہ کا مرتبہ حاصل ہوگا اور قیامت تک اس کا نام آفتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔''

(سیرۃ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ صفحہ 70،71)

خواجہ ناصر عندلیب نے حضرت حسنؓ سے اس فرقہ کا نام دریافت کیا تو انہوں نے اسکا نام ''طریقہ محمدیہ'' بتایا۔

حضرت خواجہ ناصر عندلیب اس عظیم الشان کشف کو دیکھ کر باہر نکلے تا کہ اپنے صاحبزادے کو بیعت میں لے لیا جائے تا کہ انہیں بقاباللہ کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور اپنے تیرہ سالہ صاحبزادے حضرت خواجہ میر درد کو بیعت میں لے کر یہ امانت آگے منتقل کر دی۔ یہ خواجہ میر درد وہی مشہور شاعر ہیں جنہیں ہندوستان میں اردو ادب کی دنیا میں ایک عظیم الشان مقام حاصل ہے۔

چنانچہ اس طرح طریقہ محمدیہ کے نام سے ایک جدید طریق جاری ہوا۔
حضرت خواجہ محمد ناصر صاحب کے انتقال کے بعد اس طریق کے گدی نشین آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ میر درد ہوئے۔آپ بہت عرصہ تک برمدہ کے نالہ کے مکانات میں فروکش رہے۔مگر پھر اورنگ زیب کی بہو شہزادی مہر پرور کے اصرار پر جو آپ کی بہت معتقد تھیں آپ نے دلی میں رہنا منظور فرمالیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہاں انہیں سادہ مکانات بنوا دیئے جائیں۔

جب آپ دلّی میں اپنی بارہ دری میں مقیم تھے تو محمد شاہ ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ایک روز حضرت خواجہ صاحب کی شہرت سن کر بارہ دری میں حاضر ہوا۔اور عرض کی کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔خواجہ میر درد نے فرمایا:

''آپ کے لائق یہی خدمت ہے کہ اب کبھی فقیر خانہ پر تشریف نہ لائیے گا کیونکہ آپ کے آنے سے فقیر کا نفس موٹا ہوتا ہے۔''

(سیرۃ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ صفحہ 113)

خواجہ میر درد کے ایک صاحبزادے تھے جو چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ان کی اولاد میں میر محمد بخش اور ایک صاحبزادی امانی بیگم تھیں۔میر محمد بخش کو ان کے ایک ملازم نے سوتے میں قتل کر دیا۔چونکہ میر محمد بخش کی کوئی اولاد نہ تھی۔اس لئے خلافت کے سوال پر فیصلہ ہوا کہ خلافت خواجہ میر درد کی لڑکیوں کی اولاد میں منتقل کر دی جائے۔ ان میں امانی بیگم کی شادی خواجہ سید ناصر جان صاحب سے ہوئی تھی۔جو خود بھی اچھے شاعر تھے۔ایک دوسری صاحبزادی بی نصیرہ بیگم کی شادی سید ہاشم علی صاحب سے ہوئی تھی جو حضرت امّاں جان کے والد ماجد حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دادا تھے۔اور جن کے خاندان کا ذکر آگے آئے گا۔

سید ہاشم علی اور صاحبزادی سیدہ بی نصیرہ بیگم صاحبہ کے بطن سے سید ناصر امیر پیدا ہوئے ان کی دو بیگمات تھیں۔ان میں سے ایک زوجہ بی بی روشن آراء بیگم صاحبہ

کے بطن سے ہمارے بزرگ حضرت میر ناصر نواب صاحب اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

ذکر ہو رہا تھا خواجہ میر درد کی گدّی نشینی کا۔ تو امانی بیگم نے جو خاندان کی بڑی تھیں فیصلہ کیا کہ گدّی نشینی سید ناصر امیر صاحب کے سپرد کر دی جائے۔ جو حضرت میر ناصر نواب صاحب کے والد تھے۔ میر صاحب کی وفات کے بعد یہ گدی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے بڑے بھائی میر ناصر وزیر صاحب کے سپرد ہوئی۔ لیکن خدا تعالیٰ کے ارادے کچھ اور تھے۔

حضرت میر ناصر نواب کے والد میر ناصر امیر صاحب دہلی کے ایک اور مشہور سادات خاندان کے فرد سید ہاشم علی صاحب کے صاحبزادے تھے۔ یہ خاندان بھی بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا تھا اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی اولاد تھا۔ انہیں بھی مغل بادشاہوں نے اچھے مقامات پر فائز کیا۔ ان کے ایک بزرگ نواب خان دوران منصور خان سلطنت مغلیہ میں نہایت اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ آپ مشہور جرنیل عزیز مرزا کوکلتاش کے نواسے تھے۔ جن میں بڑے کا نام قمر الدین خان اور چھوٹے احتشام علی خان تھے۔ احتشام علی خان کے بیٹے میر ہاشم علی تھے۔ جو غالباً جائیداد کی دیکھ بھال ہی کرتے تھے۔ کسی سرکاری منصب پر فائز نہ تھے۔ یہی میر ہاشم علی صاحب حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دادا تھے۔ ان کے صاحبزادے اور

خواجہ میر درد کے گدی نشین میر ناصر امیر صاحب اچانک انتقال کر گئے اور اپنی اولاد چھوٹی عمر کی چھوڑ گئے۔ میر ہاشم علی صاحب ابھی حیات تھے اور غدر کے زمانہ میں اسّی سال کے تھے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’دادا صاحب اگرچہ موجود تھے مگر وہ اسّی سالہ ضعیف تھے اور کچھ جائیداد بھی نہ رکھتے تھے اور جو جائیداد تھی وہ ہمارے خاندان سے جا چکی تھی۔‘‘

(حیات ناصر صفحہ نمبر 3)

حضرت میر ناصر نواب غالباً 1846ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ صاحبہ سید ناصر امیر صاحب کی دوسری زوجہ تھیں جن کا نام روشن آراء بیگم تھا۔ 1857ء کے حالات آپ کو اچھی طرح یاد تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر گیارہ بارہ سال رہی ہوگی۔ اپنی خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ایک زمانہ آیا کہ میں پیدا ہوا اور دلّی شہر میں جنم لیا۔ خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمۃ کے گھرانے میں پیدا ہو کر نشوونما پایا اور ان کی بارہ دری میں کھیل کود کر بڑا ہوا۔ ان کی (بیت) میں پڑھا کرتا تھا۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی فکر و اندیشہ دامن گیر نہ تھا کہ ناگہاں میرے حال میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی۔ جس کا بظاہر کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اتفاقاً میرے والد ماجد کسی کام کیلئے بنارس تشریف لے گئے اور شاہ آباد آرہ میں ہیضہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور میں معہ اپنی دو ہمشیرہ

کے یتیم رہ گیا۔''　　　　(حیات ناصر صفحہ نمبر 2)

والد صاحب کی وفات کے بعد اچانک یہ خاندان مالی مشکلات کا شکار ہوگیا۔اس صورت میں کفالت کا بوجھ آپ کے نانا میر شفیع احمد صاحب ساکن فراشخانہ نے اٹھایا۔آپ کے دو ماموں محکمہ نہر میں ملازم تھے۔بڑے ماموں ڈپٹی کلکٹر تھے اور چھوٹے ماموں مادھو پور ضلع گورداسپور میں اسی محکمہ میں ملازم تھے۔انہوں نے آڑے وقت میں مدد کی۔

1857ء میں جنگ آزادی کے موقع پر دلّی پر جو آفت آئی۔جس سے حضرت میر صاحب کا خاندان بھی متاثر ہوا۔حضرت میر ناصر نواب صاحب کے اپنے الفاظ میں تحریر کرتا ہوں:

''یہ عاجز بھی ہمراہ اپنے کنبہ کے دلّی دروازہ کی راہ سے باہر گیا۔چلتے وقت لوگوں نے اپنی عزیز چیزیں جن کو اٹھا سکے ہمراہ لے لیں۔میری والدہ صاحبہ نے اللہ ان کو جنت نصیب کرے میرے والد کا قرآن شریف جواب تک میرے پاس ان کی نشانی موجود ہے،اٹھالیا۔شہر سے نکل کر ہمارا قافلہ سر بصحرا چل نکلا اور رفتہ رفتہ قطب صاحب تک جو دلّی سے 11 میل پر ایک مشہور خانقاہ ہے جا پہنچا۔وہاں پہنچ کر ایک دو روز ایک حویلی میں آرام سے بیٹھے رہتے تھے کہ دنیا نے ایک اور نقشہ بدلا۔یکا یک ہارسن صاحب افسر رسالہ معہ مختصر اردل کے قضا کی طرح ہمارے سر پر آ پہنچے اور دروازہ

کھلوا کر ہمارے مردوں پر بندوقوں کی ایک باڑہ ماری اور جس کو گولی نہ لگی اس کو تلوار سے قتل کیا۔یہ نہیں پوچھا کہ تم کون ہو۔ہماری طرف کے ہو یا دشمنوں کے طرفدار ہو۔اسی یک طرفہ لڑائی میں میرے چند عزیز راہی ملک عدم ہوگئے۔پھر حکم ملا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔''حکم حاکم مرگ مفاجات'' ہم سب زن و مرد و بچہ اپنے مردوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں حیران و پریشان وہاں سے روانہ ہوئے لیکن بہ سبب رات کے اندھیرے اور سخت و اژگوں کی تیرگی (منحوس قسم کی تاریکی) کے رات بھر قطب صاحب کی لاٹ کے گرد طواف کرتے رہے۔صبح کو معلوم ہوا کہ تیلی کے بیل کی طرح وہیں کے وہیں ہیں۔ایک کوس بھی سفر طے نہیں ہوا۔''

(حیات ناصر صفحہ 3،4)

ان حالات میں بالآخر یہ خاندان بے سروسامان پانی پت پہنچا جہاں میر صاحب کے ماموں محکمۂ نہر میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔یہاں اطمینان نصیب ہوا اور میر صاحب کو بھی ان کے ماموں نے محکمۂ نہر میں ہی بطور اوورسیئر ملازم کروا دیا۔

بعد کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب کام خدا تعالیٰ کی خاص مشیت کے تحت ہو رہے تھے۔میر صاحب محکمۂ نہر میں ملازمت کے دوران تتلے کی نہر کی کھدائی کے دوران قادیان میں عارضی طور پر کچھ عرصہ رہے۔جہاں سے آپ کا تعلق حضرت مسیح موعودؑ سے قائم ہوا۔اور میر صاحب کے خاندان میں جو پیشگوئی میر ناصر

عندلیب کے زمانہ سے چلی آتی تھی کہ ایک امانت ہے جسکی ابتداء تجھ سے ہوئی ہے اور انتہا مہدی موعود علیہ السلام پر ہوگی بڑی شان سے پوری ہوئی۔

1865ء میں حضرت میر صاحب کے ہاں شادی کے تین سال بعد حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی پیدائش ہوئی۔ جو حضرت اماں جان کے نام سے معروف ہیں۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب جب نہر کی کھدائی کے سلسلہ میں قادیان میں رہتے تھے تو آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شخصیت اور تعلق باللہ سے حد درجہ متاثر تھے۔ بعدہٗ جب آپ دلی تشریف لے گئے تو ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور تصنیف ''براہین احمدیہ'' شائع ہوئی تھی۔ جس سے ہندوستان کے سمجھدار مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت میر صاحب کو بھی یہ کتاب پہنچی۔ آپ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلے سے جانتے تھے اور آپ کے تقویٰ کے معترف تھے چنانچہ انہی دنوں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اپنی بیٹی کے رشتہ کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں مشیت ایزدی کے تحت حضور نے اپنا پیغام بھجوا دیا اور چونکہ خدا تعالیٰ کو یہی منظور تھا اس لئے اس طرح ایک بابرکت جوڑے کی بنیاد رکھی گئی جس سے وہ نسل پیدا ہونی تھی جس کو دنیا کی راہ نمائی کا کام سونپا جانا تھا۔

حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی پیدائش کے بعد میر صاحب کے پانچ

بچے پیدا ہوئے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے پھر 1881ء میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی پیدائش ہوئی اس کے بعد پھر پانچ بچوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا اور 1890ء میں لدھیانہ میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی پیدائش ہوئی۔

اس کتاب کا اصل موضوع حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا ذکر خیر ہی ہے اس لئے اب میں آپ کے سوانح جو خود آپ نے رقم فرمائے درج کرتا ہوں۔

''میری پیدائش 8 ستمبر 1890ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی جہاں حضرت والد صاحب مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً 1894ء کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ قیام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے اٹھارہ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔

آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضور نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کے خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہ سے فرماتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جاتا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت، وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی

چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔جن دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔دونوں وقت میں بھی شریک ہوتا تھا۔مجھے یاد ہے۔ہم عربی میں أَسۡقِنِی الۡمَاءَ کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے۔بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضور نے مغرب وعشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں اور میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا۔عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔غالباً میں پیدائشی احمدی ہوں۔نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضور کے دعاوی پر ایمان ہے۔آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کو دل سے......سچا خلیفہ تسلیم کیا۔حضرت خلیفہ اول سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبت و پیار کا تعلق تھا۔ان کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو خلیفۂ ثانی سمجھتا ہوں۔

با قاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسماعیل صاحب اور حضرت خلیفۂ اول سے عربی علوم پڑھنے کی کوشش کی۔1910ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔1912ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہوا۔جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرس تھا۔اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔اس ملازمت کے

علاوہ بعض اور کام بھی خلافت ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود سے جو شرف حاصل ہوئے وہ اس لئے لکھے ہیں کہ ابتداء ایسی اچھی ہے۔پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہاء بھی ایسی ہی اچھی ہو۔

عروسی بود نوبتِ ماتمت

اگر برنکوئی بود خاتمت‘‘

(دو بھائی از غلام باری سیف صفحہ 85 تا 88)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بنی کہ ایک دفعہ دلّی کے مشہور اہل حدیث عالم مولوی نذیر حسین صاحب حضرت میر ناصر نواب صاحب سے لدھیانہ ملنے آئے تو میر صاحب نے حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کو جو ابھی چھوٹے تھے ان سے ملایا۔مولوی نذیر حسین صاحب نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ شعر پڑھا

برائے کردن تنبیہ فساق   دوبارہ آمد اسماعیل و اسحاق

یعنی فاسقوں کو تنبیہ کرنے کیلئے اسماعیل اور اسحاق نے دوبارہ جنم لیا ہے۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ وجودوں سے فیض حاصل کیا۔آپکو آپکی عظیم الشان ہمشیرہ حضرت اماں جان نے دودھ پلایا۔اس طرح آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام مبشر اولاد کے نہ

صرف ماموں تھے بلکہ رضاعی بھائی بھی تھے۔

آپ کی تعلیم کا آغاز حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے عربی کی ابتدائی کتب پڑھ کر ہوا۔آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین اور ذکی تھے اور بات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے تھے۔

تعلیم

جب حضرت میر صاحب کی تعلیم کا سوال اٹھا تو حضرت میر ناصر نواب صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے مشورہ کیا۔آپ نے دینی تعلیم کے حصول کا مشورہ دیا جس پر حضرت میر ناصر نواب صاحب نے کہا کہ میرا ایک بیٹا (حضرت میر محمد اسماعیل صاحب) ڈاکٹر ہے۔دوسرے کو اگر میں دینی تعلیم دلواؤں تو وہ تو پھر لوگوں کی روٹیوں پر ہی پلے گا۔لیکن بالاخر اس مشورے کے نتیجے میں آپ نے دینی تعلیم کے حصول کا راستہ اپنایا۔

آپ کو حدیث سے عشق تھا اور ایسا درس حدیث دیتے کہ سماں بندھ جاتا۔ لوگ دور دور سے آپ کے درس میں شریک ہوتے۔اس دوران آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور اس محبت اور وارفتگی سے آنحضور ﷺ کا ذکر کرتے کہ یوں لگتا کہ جیسے لوگ اسی مجلس میں موجود ہیں۔حاضرین کو تیرہ سو سال قبل کے زمانہ میں واپس لے جاتے اور پوری تفصیل سے حالات بھی بتاتے اور احادیث کی حکمتیں بھی واضح کرتے۔الغرض

آپ کا درس حدیث دلوں میں عشق رسول ﷺ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ تھا۔

آپ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

”مجھے خدا کی بزرگ کتاب قرآن مجید کے بعد حضور رسول مقبول ﷺ کی احادیث سے عشق ہے۔اور سرورِکائنات کا کلام میرے لئے بطور غذا کے ہے کہ جس طرح روزانہ اچھی غذا ملنے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔اسی طرح بغیر سید کونین کے کلام کے ایک دوورقہ پڑھنے کے میری طبیعت بے چین رہتی ہے۔جب کبھی میری طبیعت گھبراتی ہے تو بجائے اس کے کہ میں باہر سیر کیلئے کسی باغ کی طرف نکل جاؤں، میں بخاری یا حدیث کی کوئی اور کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں۔اور مجھے اپنے پیارے آقا کے کلام کو پڑھ کر خدا کی قسم وہی تفریح حاصل ہوتی ہے جو ایک غمزدہ گھر میں بند رہنے والے کو کسی خوشبودار پھولوں والے باغ میں سیر کر کے ہو سکتی ہے۔اور میری تو یہ حالت ہے کہ

باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بستاں کلام احمد ہے

اور واقعہ میں میرے آقا کا کلام ایسا پاکیزہ، ایسا پیارا، ایسا دلفریب اور ایسا دلربا ہے کہ کاش دنیا اسے پڑھے اور پھر اسے معلوم ہو کہ میرے بادشاہ کا منہ ایسے پھول برساتا تھا کہ جن کی خوشبو اگر ایک دفعہ کوئی سونگھ لے، پھر اسے دنیا کی کوئی خوشبو

کوئی عطر اور کوئی پھول اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ لوگ میرے آقاؐ کا کلام پڑھیں اور سنیں اس لئے میں بخاری شریف کی حدیثیں لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔''

(دو بھائی از غلام باری سیف صاحب صفحہ 108-107)

چونکہ آپ نے اپنی زندگی جماعت کی خدمت کے لئے وقف کی ہوئی تھی اس لئے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ جماعت کے مختلف شعبہ جات میں خدمات سرانجام دیتے رہے جن میں جامعہ احمدیہ میں استاد اور لنگر خانہ کے نگران کی حیثیت سے آپ کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔ آپ جلسہ سالانہ کے دنوں میں انتظامات جلسہ کے نگران ہوا کرتے تھے۔ ایک بار پہلے دن جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی افتتاحی تقریر کے لئے جلسہ گاہ تشریف لائے تو حضور نے محسوس کیا کہ جلسہ گاہ حاضرین کی گنجائش سے چھوٹی تعمیر کی گئی ہے۔ اور اس پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ میر صاحب نے راتوں رات خدام اکٹھا کر کے جلسہ گاہ توڑ کر وسیع جلسہ گاہ تعمیر کر دی۔ اگلے روز جب حضور تقریر کیلئے تشریف لائے تو جلسہ گاہ کا نقشہ دیکھ کر بہت حیران بھی ہوئے اور اظہار خوشنودی بھی فرمایا۔ اس طرح میر صاحب نے جہاں نہ صرف اطاعت کی ایک شاندار مثال قائم کی وہاں اعلیٰ ہمتی کا سبق بھی ہمیں دیا کہ ارادہ کرلو تو کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔

1937ء میں آپ کو مدرسہ احمدیہ کا ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ آپ نے تو گویا اس کی کایا پلٹ دی۔ ایسا عمدہ انتظام شروع کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ احمدیہ ایک نہایت عمدہ ادارے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ طلباء کو وقت پر آنے کا کہتے اور اسمبلی کے چند منٹ بعد گیٹ بند کروا دیتے۔ جو طلباء دیر سے آتے ان کے لئے صحن میں ایک دائرہ کھنچوا دیا جس میں کچھ دیر انہیں کھڑا رکھتے۔ اس دائرے کا نام ''دَائِـرَۃُ الْکُسَالٰی'' یا سست طلباء کا دائرہ رکھا۔ چنانچہ طلباء اس دائرے میں کھڑے ہونے سے بچنے کے لئے وقت پر آنا شروع ہو گئے۔ سبق نہ یاد کر کے آنے والوں کیلئے چھٹی کے بعد ایک کلاس بٹھا دی جاتی جسے ''تَنْبِیْہُ الْغَافِلِیْن'' یا غافلوں کے لئے وارننگ کا نام دیا۔ غرض مختلف ذرائع سے طلباء میں بیداری پیدا کر دی۔

لنگر خانہ کے نگران ہونے کی حیثیت سے مہمانوں کا بہت خیال رکھتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات قادیان میں مخالفین احمدیت کے جلسوں کے موقع پر غیر از جماعت احباب کو گھومتا دیکھتے تو ان کو اپنے ہمراہ لنگر خانے لے آتے اور کھانا کھلاتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رفیق حضرت حافظ معین الدین صاحب تھے جو نابینا تھے۔ وہ لنگر خانے سے کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ انہیں کسی نے دال کا پیالہ دیا جو نہایت پتلی تھی۔ حضرت حافظ صاحب ایک اچھی حس مزاح رکھنے والے تھے۔ آپ پیالہ پکڑ کر حضرت میر صاحب کے پاس گئے اور فرمانے لگے کہ میر

صاحب ایک فتویٰ درکار ہے۔ میر صاحب نے پوچھا کہ کیا بات ہے تو حافظ صاحب نے پیالہ دکھا کر میر صاحب سے پوچھا کہ کیا اس طرح کی دال سے وضو ہوسکتا ہے۔ میر صاحب نے ان سے پیالہ لے لیا کہ میں ذرا غور کر کے بتاتا ہوں۔ اور وہ پیالہ دیگ میں الٹا کر گوشت کا پیالہ حضرت حافظ صاحب کو پیش کیا اور کہا کہ آپ کے فتویٰ کا یہ جواب ہے۔

ایک دفعہ ایک دوست دیر سے آئے تو اتفاقاً روٹی ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے میر صاحب سے شکایت کی تو میر صاحب انہیں لے کر دستر خواں پر گئے تو وہاں بعض بچے ہوئے ٹکڑے موجود تھے۔ ان کی دلداری کیلئے میر صاحب نے کہا کہ روٹی تو ہے۔ میں نے بھی کھانا ابھی کھانا ہے۔ آیئے کھاتے ہیں چنانچہ خود ان بچے ہوئے ٹکڑوں سے کھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ دوست بھی کھانے لگے اور شکوہ دور ہو گیا۔

مہمان نوازی کے اس امتیازی وصف کے ساتھ میر صاحب کا دوسرا بڑا وصف غریبوں اور یتیموں کی دیکھ بھال تھا۔ آپ نے دارالشیوخ (قادیان دارالامان میں یتامیٰ کی کفالت کا ادارہ) کا کام سنبھالا اور اس کے اخراجات کیلئے مخیّر احباب سے چندہ لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ منتظم نے عرض کی کہ آٹا وغیرہ ختم ہو گیا ہے تو میر صاحب کو شدید بخار تھا۔ آپ اسی حالت میں اٹھے، تانگہ منگوایا اور بعض دوستوں کے پاس جا کر چندہ کی تحریک کی اور اس طرح اس مسئلہ کو حل کر دیا۔

جو بچے اس ادارے میں رہتے تھے ان سے نہایت شفقت کا سلوک فرماتے اور کوشش کرتے کہ انہیں اپنے ماں باپ کی محرومی کا احساس کم سے کم ہو۔ ایک دفعہ ایک بچے نے فیس جمع کروانی تھی اور اس کے پاس رقم نہیں تھی۔ میر صاحب مدرسہ کے انچارج تھے اور فیس وصول کرنے کے نگران کے پاس بچے باری باری جا کر فیس جمع کرواتے تھے۔ جب وہ بچہ قریب آیا تو میر صاحب نے اپنے ایک ہاتھ سے چپکے سے انہیں فیس پکڑا دی کہ یہ جمع کروا دو۔ اس طرح فیس بھی جمع ہو گئی اور بچہ پریشان ہونے سے بچ گیا۔

عید کے موقع پر ان بچوں کو عیدی تقسیم کرنے کے لئے نئے سکے منگواتے اور ان میں عیدی تقسیم کرتے۔

اسی طرح غریبوں کا خیال رکھنے کی ہر طرح کوشش کرتے۔ ایک دفعہ قادیان سے باہر پکنک پر گئے اور سب ساتھیوں کیلئے بھنے ہوئے چنے اور ان میں شکر ڈلوا کر پیش کی۔ ایک نابینا دوست جو راستے میں گندے پانی میں گر گئے تھے اور ان کے کپڑے خراب اور بدبودار ہو گئے تھے علیحدہ کھڑے تھے۔ جب میر صاحب نے انہیں دیکھا تو پلیٹ پکڑ کر ان کے پاس گئے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے۔ یہ ادائیں آپ نے اپنے مطاع حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہی سیکھی تھیں جو اپنے ایک غریب رفیق میاں نظام الدین صاحب کو الگ لے جا کر ایک پیالے میں

کھانا کھانے لگے تھے۔

آپ عظیم الشان مقرر تھے۔آپ کی تقریر بہت علمی اور منطقی ہوتی اور مخالف مشکل میں گرفتار ہو جاتا۔آپ موقع کی مناسبت سے نہایت اعلیٰ بات کیا کرتے تھے۔ ایک مناظرے میں ہندو مقرر نے اپنی تقریر ہندی اور سنسکرت زبان میں کی جس سے کوئی احمدی واقف نہیں تھا۔دوست بیان کرتے کہ ہم پریشان تھے کہ اس کا کیا جواب دیں گے۔لیکن میر صاحب اطمینان سے بیٹھے رہے۔ جب میر صاحب کی باری آئی تو آپ نے عربی میں تقریر شروع کر دی۔مخالفین نے اعتراض کیا کہ ہمیں تو سمجھ نہیں آ رہی آپ نے فرمایا کہ ہمیں بھی نہیں آئی تھی۔چنانچہ وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ تقریر اردو میں ہوگی۔

ابھی میر صاحب کی عمر 28 سال تھی کہ ہندوستان کے ایک مشہور پادری جوالا سنگھ سے جو اپنی تقاریر کی وجہ سے بہت مشہور تھا مناظرہ قرار پایا اور خدا تعالیٰ نے میر صاحب کو عظیم الشان فتح عطا فرمائی۔جلسوں اور مناظروں میں طلباء کو ساتھ لے جاتے تاکہ ان کی تربیت ہوتی رہے اور بہت حوصلہ افزائی فرماتے۔جس کے نتیجے میں آپ کے شاگردوں میں بہت اعلیٰ درجے کے مقرر پیدا ہوئے۔

اسی طرح کے ایک جلسہ میں جو قادیان سے متصل گاؤں بھامبڑی میں ہوا، فساد ہو گیا۔ ہوا یوں کہ جلسہ میں مخالفین نے گڑبڑ کرنے کی سوچی۔ جب حضرت

میر صاحب قادیان سے طلباء کو لے کر روانہ ہوئے تو مخالفین نے راستے میں ایک پل پر روکنے کی کوشش کی۔حضرت میر صاحب نے طلباء سے کہا کہ ان کو جواب دیئے بغیر چار چار کی ٹولیوں میں چپ چاپ بڑھتے جاؤ۔جب بھامبڑی پہنچے اور جلسہ شروع ہوا تو مخالفین نے شور ڈالنا شروع کر دیا۔خیر جلسہ کے اختتام پر جب واپسی ہونے لگی تو ایک حویلی سے مخالفین نے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔طلباء جوش میں آ گئے لیکن میر صاحب نے ایک لکیر کھینچ کر طلباء سے کہا کہ اس سے آگے نہیں بڑھنا۔اس دوران پتھر پڑتے رہے اور میر صاحب کھڑے رہے۔بالآخر آہستگی سے واپس ہونا شروع ہوئے تو ایک گروہ پر جو غلط راستہ پر چل پڑا تھا مخالفین نے حملہ کر دیا۔انہیں اکٹھا کر کے پھر چلے تو کھیتوں میں سینکڑوں سکھوں اور ہندوؤں نے جو کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے مسلح تھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔مگر حضرت میر صاحب سامنے کھڑے رہے۔اور خدا تعالیٰ کی حفاظت میں بخیریت قادیان پہنچے۔قادیان پہنچ کر میر صاحب نے طلباء کے حوصلہ کی بہت تعریف کی۔

دلچسپ بات یہ ہوئی کہ مخالفین نے احمدیوں پر ایک مقدمہ کھڑا کر دیا کہ انہوں نے فساد کی کوشش کی تھی۔چنانچہ وہ مقدمہ ضلع گورداسپور کی عدالت میں تھا اور میر صاحب کا نام بھی اس میں درج تھا۔میر صاحب کو ہر پیشی پر گورداسپور جانا ہوتا تھا۔آپ کو عدالت میں کرسی پیش کی جاتی لیکن جب آپ جاتے تو مجرموں کے

کٹہرے میں ایک دو منٹ کھڑے رہتے۔ پھر کرسی پر آکر بیٹھتے۔ لوگ بھی آپ کے احترام میں کھڑے رہتے۔ کسی نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عدالت میں آتمارام مجسٹریٹ نے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا رکھا تھا۔ میں اس یاد میں کچھ دیر کھڑا رہتا ہوں۔

آپ کے مزاج میں شگفتگی تھی۔ اور عمدہ مزاح کا ذوق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ہندو کی دکان کے پاس سے گزرے جس نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دکان کے بورڈ پر تحریر تھا۔ ''سیٹھ لال جی داس''۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ اس بورڈ میں کیا غلطی ہے کوئی نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا کہ دو نکتوں کی کمی ہے دراصل اس بورڈ کو ہونا چاہیے۔ ''سیٹھ لال چی داس۔''

ہفتہ میں چھٹی والے دن طلباء کو تتلے کی نہر پر پکنک کیلئے لے جاتے۔ آپ کی یہ پکنکس قادیان بھر میں مشہور تھیں اور بہت سے لوگ ساتھ چل پڑتے۔ نہر پر پہنچ کر تیراکی کے مقابلے ہوتے۔ دوسری کھیلیں ہوتیں۔ نمازیں باجماعت پڑھائی جاتیں اور علمی بحثیں چھیڑی جاتیں۔ غرض یہ کہ ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے یہ پکنکس تربیت کے بہترین مواقع تھے۔

ایک دفعہ جمعہ پر جانے کے لئے دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے زیب تن کر کے جا رہے تھے کہ ایک نابینا صاحب جو ہاتھ میں سالن کا ڈبہ پکڑے ہوئے آ رہے

تھے آپ سے ٹکرا گئے۔ اور سارا سالن کپڑوں پر گر گیا۔ آپ نے ناراض ہونے کی بجائے صرف اتنا کہا کہ حافظ صاحب اگر سڑک پر جا رہے ہو تو زور سے السلام علیکم کہتے رہا کرو تا کہ لوگوں کو آپ کی آمد کا علم ہو جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے بارے میں کئی الہامات اور رؤیا ہوئے۔ بچپن میں ایک دفعہ آپ بہت بیمار ہو گئے۔ حضورؑ نے دعا کی تو الہام ہوا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ یہی الہام آپ کی صحت کا موجب ہوا۔

آپ کی شادی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رؤیا کے نتیجہ میں ہوئی۔ حضورؑ نے دیکھا لیکن آپ کی شادی حضرت پیر منظور محمد صاحب (مؤلف قاعدہ یسرنا القرآن) کی صاحبزادی صالحہ بیگم صاحبہ کے ساتھ ہو رہی ہے۔ ابھی آپ دونوں چھوٹے ہی تھے کہ اس رؤیا کی بناء پر آپ کا نکاح ان سے کر دیا گیا۔ آپ کی شادی کے موقع پر حضرت مصلح موعود نے ایک نظم بھی تحریر فرمائی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

میاں اسحاق کی شادی ہوئی ہے آج اے لوگو
ہر اک منہ سے یہی آواز آتی ہے مبارک ہو
دعا کرتا ہوں میں بھی ہاتھ اٹھا کر حق تعالیٰ سے
کہ اپنی خاص رحمت سے وہ اس شادی میں برکت دے

خدایا اس بنی پراور بنے پر فضل کر اپنا
اور انکے دل میں پیدا کردے جوش دیں کی خدمت کا
کلام پاک کی الفت کا انکے دل میں گھر کردے
نبیؐ سے ہو محبت اور تعشق ان کو ہو تجھ سے
بہت بھایا ہے اے محمودؔ یہ مصرعہ میرے دل کو
مبارک ہو یہ شادی خانہ آبادی مبارک ہو

(کلام محمود صفحہ 3)

آپ سادہ لباس پہنتے تھے اور نہایت سادگی سے رہتے تھے۔ایک دفعہ اپنے کپڑے مرمت کیلئے دیئے تو درزی نے کہا کہ اب اسکی مرمت صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اس پر پیوند لگایا جائے۔آپ نے فرمایا کہ بے شک پیوند لگا دو۔آنحضور ﷺ بھی پیوند لگے کپڑے زیب تن فرمالیتے تھے۔

آپ نے کئی کتب تحریر کی تھیں۔ عام طور پر منطقی انداز تحریر ہوتا اور بڑے بڑے مسائل کو آسانی اور سادہ انداز میں سمجھانے کا خاص ملکہ آپ کو حاصل تھا۔طلباء کو تعلیم بھی اسی طرز پر دیتے تھے کہ طلباء میں سبق سے دلچسپی پیدا ہو جاتی اور مشکل مسائل کو سادہ زبان میں سمجھا دیتے۔

آخری عمر میں آپ بیمار رہنے لگے تھے۔کئی دفعہ علاج کروایا اگر افاقہ ہوتا

بھی تھا تو عارضی۔آپ کہا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام ''خدا اسکو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا'' بھی آپ ہی کے بارہ میں ہے۔آپ بیماری کے باوجود آرام کی پرواہ کئے بغیر کام میں مصروف رہتے۔ بالآخر 16 مارچ 1944ء کو اچانک بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔آپ کو گھر لے جایا گیا اور فوری علاج شروع ہوا۔مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ 17 مارچ کی شام مغرب کے قریب نبض کمزور ہونے لگی۔ حافظ قدرت اللہ صاحب نے سورۃ یٰسین سنانی شروع کی تو جب اس آیت پر پہنچے سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ تو آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔عجیب اتفاق ہے کہ بچپن میں آپ کی صحت کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی آیت الہام ہوئی تھی اور اسی آیت پر آپ کا بابرکت انجام ہوا۔

حضرت مصلح موعود وہیں موجود تھے حضور نے آپ کی وفات پر جو کچھ فرمایا۔میں اپنے اس مضمون کو انہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ یہ الفاظ ہمیں ہماری ذمہ داری بتا رہے ہیں۔حضرت مصلح موعود نے فرمایا۔

''میر محمد اسحاق صاحب خدمات سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا تو ان کو۔رات دن قرآن وحدیث لوگوں کو پڑھانا ان کا مشغلہ تھا۔وہ زندگی کے آخری دور میں کئی بار موت کے منہ سے بچے۔جلسہ سالانہ پر وہ ایسا اندھا دھند کام کرتے کہ کئی بار ان پر نمونیہ کا حملہ

ہوا۔ ایسے شخص کی وفات پر طبعاً لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے۔لیکن اگر ہماری جماعت کا ہر شخص ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا تو آج یہ احساس نہ پیدا ہوتا کہ اب ہم کیا کریں گے بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم سب یہی کر رہے ہیں۔عزیز اور دوست کی جدائی کا غم تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ اب اس کام کو کون سنبھالے گا۔

موت کا رنج تو لازمی بات ہے۔مگر یہ رنج مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔کہ اس نے وقت پر چاروں کونوں کو سنبھال لیا تھا۔احباب کی اس غلطی کی وجہ سے کہ ہر ایک نے وقت پر اپنے آپ کو سلسلہ کا واحد نمائندہ تصور نہ کیا۔اور اس کے لئے کوشش نہ کی۔آج میر صاحب کی وفات ایسا بڑا نقصان ہے کہ نظر آ رہا ہے اس نقصان کو پورا کرنا آسان نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اس طرز کے آدمی تھے ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحب رنگین تھے.....

قحط الرجال ایسی چیز ہے جو لوگوں کے دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے.....اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بروقت سمجھ دی اور میں نے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کی جس کے ماتحت آج نوجوان تعلیم حاصل کر رہے

ہیں..... آٹھ دس علماء تو ہر وقت ایسے چاہئیں جو مرکز میں رہیں اور مختلف (بیوت الذکر) میں قرآن و حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درس باقاعدہ جاری رہے اور اس طرح نظر آئے کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں زندہ موجود ہیں.....

قرآن کریم کا درس ہم میں جاری رہے تو گویا کہ زندہ خدا ہم میں موجود ہوگا۔اگر حدیث کا درس جاری رہے تو گویا آنحضرت ﷺ ہم میں زندہ ہوں گے۔ اگر کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درس جاری ہے تو گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہم میں زندہ ہوں گے.....

..... پس اب بھی سنبھلو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار لوگ اب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں..... بڑے خطرات کے دن ہیں۔اس لئے سنبھلو۔اپنے نفسوں سے دنیا کی محبت سرد کر دو۔اور دین کی خدمت کے لئے آگے آؤ اور ان لوگوں کے علوم کے وارث بنو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی تا تم آئندہ نسلوں کو سنبھال سکو۔''

(دو بھائی صفحہ 141 تا 144)

آپ کی چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے تھے۔بڑی صاحبزادی محترمہ سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب تھیں۔دوسری صاحبزادی

محترمہ سیّدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم ملک عمر علی صاحب آف ملتان تیسری صاحبزادی محترمہ سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم میجر سید سعید احمد صاحب اور چوتھی صاحبزادی محترمہ آنسہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم قاضی شوکت محمود صاحب ہیں۔

آپ کے صاحبزادوں میں محترم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم (سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ و سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)۔ محترم سید میر مسعود احمد صاحب مرحوم مربی سلسلہ اور محترم سید میر محمود احمد صاحب ناصؔر پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام اولاد کو خدمت سلسلہ کی عمدہ توفیق ملی اور مل رہی ہے۔

خدا تعالیٰ ان کی نسلوں میں بھی یہ جذبہ زندہ رکھے۔ آمین

☆.................☆..................☆

نام کتاب .... حضرت میر محمد اسحاق صاحب